جان کو ہر وقت خطرہ ہے۔ کاروبار نقصان میں جا رہے ہیں اور آج وہ عورت جس کا قصور صرف اتنا ہے کہ وہ کراچی میں پیدا ہوئی، اس کے ماں باپ نے تقسیم کے بعد سب کچھ لٹا کر کراچی کو پاکستان سمجھتے ہوئے اپنا ٹھکانا بنا لیا — وہ تقسیم سے قبل کے علاقے کا نام بھی نہیں جانتی اور کراچی کی پیداوار ہے، کراچی پر اپنا حق سمجھتی ہے، لیکن اُسے باور کرایا جا رہا ہے کہ تم مہاجر ہو، سندھی نہیں ہو، لیاقت علی مرحوم سندھی تھے؟ عبدالرب نشتر مرحوم سندھی تھے؟ اگر وہ کراچی کی سرزمین میں ابدی نیند لے رہے ہیں تو پھر اُن کے ہم قافلہ لوگوں کو کیوں دھتکارا جا رہا ہے؟ کیا یہ جمہوریت ہے؟ کیا اسی کے لیے ہماری پچاس ہزار بہنوں کی عصمتیں لُٹی تھیں اور آج کتنی ہیں جو اس گناہ میں کہ وہ مسلمان تھیں، ہندوؤں کی اولادیں پیدا کر کے اپنے دن گزار رہی ہیں، جب وہ یہ خبریں سُنیں گی کہ جو پاکستان پہنچ گئیں اب اُن کے ساتھ کیا ہو رہا ہے، تو کیا کچھ نہ سوچیں گی! آج کراچی کی خاتون اپنی تعلیم کے لیے پریشان ہے، وہ کس طرح باہر نکلے! وہ روزگار کے لیے پریشان ہے گھر سے باہر اُس کو تحفظ کون دے! وہ کراچی جو ایک خوبصورت اور محفوظ بین الاقوامی شہر تھا، آج ضروری کام سے جانے والے بھی ہچکچاتے ہیں۔ کیا یہی جمہوریت ہے؟

گزشتہ دنوں پنڈی ایک سیرت کانفرنس میں جانے کا اتفاق ہوا۔ دعوت نامے کے ساتھ ہی یہ ہدایت بھی تھی کہ حکومت کے بارے میں کوئی بات نہ کی جائے۔ میں نے اُسی ہال میں کئی برس سے سیرت النبیؐ پر جلسے سُنے ہیں اور بولنے کا موقع ملا ہے لیکن یہ ہدایت پہلے کبھی نہیں ملی تھی بلکہ ایوانِ صدر میں بولنے کا موقع ملا تو بھی یہ ہدایت نہ تھی بلکہ خود صدر ضیاءالحق کی موجودگی میں اُن پر کھُل کر تنقید کی لیکن کوئی تنبیہہ نہ کی گئی کہ ایسا کیوں کہا بلکہ ایک موقع پر "پاکستان ٹائمز" کے ایڈیٹر مقبول شریف نے کہا کہ آپا جی سے تو صدر صاحب بھی گھبراتے ہیں کہ یہ ضرور صاف بات کہہ دیں گی اور میں سمجھتی ہوں کہ صدر شہید اگر قدر دانی کرتے تھے تو اسی لیے کہ یہ صاف گو ہے لیکن آج اُس دَور کو آمریت کا دَور کہا جا رہا ہے اور پابندیوں کے دَور کو جمہوریت۔

مولانا فضل الرحمٰن اور نوابزادہ صاحب جب سلمان رشدی کے خلاف اسلام آباد میں جلوس لے کر نکلے تھے تو اُن پر گولی کیوں چلائی گئی۔ پانچ جانیں لے لی گئیں، کیا یہ جمہوریت ہے؟ جلوس تو آمریت کے دَور میں بھی لاکھوں کے نکلے تھے، نعرے لگے تھے، گالیاں بکی گئی تھیں، گندی زبان استعمال ہوئی تھی، لیکن گولی تو کیا کوئی لاٹھی بھی برسی۔ اُس صبر کا نام آمریت اور اس جور و ناروا کا نام جمہوریت ہے تو میری جمہوریت سے توبہ! یہ ایسا کڑوا پھل ہے کہ گلے سے نیچے تک کڑوا ہی کڑوا ہے۔

۱۹۷۷ء میں ۹ اپریل کو بھی جمہوریت تھی۔ جب مال روڈ پر شریف عورتوں کو طوائفوں سے بدتر پکڑ پکڑ کر گھسیٹا تھا اور لاٹھیاں ماری تھیں، ماؤں کے شیر جیسے بیٹے شہید ہو گئے تھے۔ کس کی گولیوں سے؟ جمہوریت کی گولیوں سے سینے چھلنی ہو گئے تھے! سہاگ لُٹ گئے تھے۔ کرفیو لگ گئے تھے۔ فوج کو اپنے ہی ہم وطنوں کے خلاف استعمال کیا گیا تھا۔ اس ظلم کو دیکھ کر ایک شاعر نے ایک طویل نظم لکھی تھی "پاک فوج کو سلام" جس کا ایک بند آج آپ کی نذر ہے:

آج سرحد سے پنجاب و مہران تک
تم نے مقتل سجائے ہیں کیوں غازیو!
اتنی غارت گری کس کے ایما پہ ہے
کس کے آگے ہو تم سرنگوں غازیو!
کس شہنشاہ عالی کا فرمان ہے؟
کس کی خاطر ہے یہ کشت و خوں غازیو!
ایک آمر کی دستار کے واسطے
سب کی شہ رگ پہ ہے نوک تلوار کی
میں نے اب تک تمہارے قصیدے کہے
اور آج اپنے نغموں سے شرمندہ ہوں
پابہ زنجیر یاروں سے شرمندہ ہوں
اپنے دلگیر پیاروں سے شرمندہ ہوں

ہم نے اپنی سیاست جمہوریت اور آمریت کا ایسا ملغوبہ تیار کر لیا ہے کہ اب اس کی پہچان مشکل ہے، پروپیگنڈا شرط ہے۔ زور سے بولیے، ٹی وی پر بولیے، اخبارات میں بیان دیجیے، فارن پریس کو بتائیے، اگر شور زیادہ کر سکے تو جو کہیں گے سچ مانا جائے گا، لیکن سچ کیا ہے؟ یہ کون بتلائے گا، اگر سچ کا وجود ہی مٹا دیا جائے تو سچ نظر کہاں آئے گا!۔

باقی صفحہ ۲۸ پر